© rasailojaraid.com

سماوی مذاہب میں جہاد کا تصور

مولوی منہاج الدین

پوسٹ گریجویٹ کالج کوہاٹ

تخلیق انسانی کی ابتداہی سے خیر وشر دونوں وجود میں آ گئے ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"فالھمہا فجورھا و تقوھا"

ادھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت شیطان کو بھی امتحان وآزمائش کے لئے انسان کا رفیق بنادیا تاکہ پتہ چلے کہ کون رحمان کی اطاعت اور کون شیطان کی اطاعت کرتا ہے۔ ان عوامل کی بنیاد پر ایک انسانی معاشرہ میں خیر وشر دونوں کے اثرات کا ظہور ایک فطری امر ہے۔ عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے اور تاریخی طور پر بھی۔

اسلئے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ہر دور میں انسانی معاشروں، قوموں اور ملکوں کے درمیان ہمیشہ کیلئے ہم آہنگی، موافقت اور مصالحت ضروری نہیں بلکہ کسی بھی وقت شر کی چنگاری شعلہ بن کر لڑائی کی نوبت آسکتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس لڑائی کو جو کہ فی نفسہ ایک قبیح امر ہے کوئی بھی عاقل ویسے نہیں چھوڑ سکتا بلکہ اس کے خاتمے کی کوشش کرے گا۔ یہی کوشش دنیا کی ہر مذہب وتہذیب نے اپنے مخصوص اصولوں کی روشنی میں دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔ سامی مذاہب (اسلام، یہودیت، عیسائیت) کا لڑائی و جنگ کے بارے میں کیا تصور ہے اس کو کس طریقے سے نبھانا چاہیے۔ ذیل میں ان تینوں مذاہب کے نقطۂ نظر پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اسلام میں جہاد کا تصور:

سب سے پہلے تو اسلام انسانی جان کی حرمت پر بہت ہی زور دیتا ہے۔ قرآن میں صاف ارشاد ہے:

"من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیا ھا فکانما احیا الناس جمیعاً". (۱).

ایک انسان کی قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دینا اس سے انسانی جان کا احترام روز روشن کی طرح عیاں ہورہا ہے۔ لیکن کبھی کبھار صورت حال ایسی پیش آجاتی ہے کہ لڑائی وخون ریزی عقلاً بھی ضروری ہو جاتی ہے تو اس وقت اسلام بھی جہاد کی اجازت بلکہ اسے ضروری قرار دیتا ہے چنانچہ اس صورت حال کی طرف مذکورہ آیت میں استثناء کی صورت میں واضح اشارہ موجود ہے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" بغیر نفس او فساد فی الارض "

یعنی ان دوصورتوں کے علاوہ کسی کو قتل کرنا پوری انسانیت کا قتل ہے لیکن اگر یہ دوصورتیں پیش آجائیں۔ کسی نے کسی کو ناحق قتل کیا یا کسی نے زمین میں فتنہ وفساد پیدا کرنے کی کوشش کی تو اس بارے میں قرآن میں واضح ارشاد ہے۔

" یا یھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ. اور وقاتلو ھم حتی لا تکون فتنۃ ".(۲).

چنانچہ ان دونوں صورتوں میں اسلام قتل وخونریزی کی اجازت دیتا ہے جو کہ عین انصاف ہے کیونکہ کسی کے ناحق قتل کا بدلہ لینا یہ بھی انصاف اور معاشرے میں مجموعی طور پر کوئی فتنہ وفساد برپا کرے، لوگوں کے جان ومال اور ابرو پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے تو اس صورت میں اس شریر ومفسد گروہ کو ختم کرنا عین انصاف اور معاشرے کی مجموعی صحت وترقی کے لئے اس طرح ناگزیر ہو جاتا ہے جس طرح کسی انسانی جسم سے ایک مہلک پھوڑے کو کاٹنا ضروری ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جہاد کی ضرورت کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور اسلام نے بھی اپنے مخصوص منصفانہ نقطہ نظر سے اس کے کچھ اصول وحدود مقرر کر لئے ہیں۔ اسلام میں فلسفہ جہاد کو سمجھنے کیلئے اس کی غرض وغایت اور شرائط اور ضوابط کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ کسی بھی فلسفے کی صحت ومنزلت اسکی غرض وغایت اور شرائط وحدود کی صحت ومنزلت پر موقوف ہوتی ہے۔ ذیل میں جہاد اسلامی کی تصویر کو واضح کرنے کیلئے اس کا تعارف، اسکی غرض وغایت اور شرائط وضوابط پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ کسی کو جہاد کی وجہ سے "اسلام کا امن کے علمبردار مذہب" ہونے پر انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے۔

جہاد اسلامی کا تعارف:

جہاد عربی لفظ جھد سے مشتق ہے جس کا معنی ہے طاقت اور اسلام کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کیلئے، اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے وفاداروں کا اللہ کے باغیوں سے لڑنا جہاد کہلاتا ہے۔ شرط صرف وہی ہے کہ مقصود ومطمح نظر، اللہ کے کلمے کو بلند کرنا ہو اور دنیا کے کسی قسم کا نفع مقصود نہ ہو۔ اگر مال مقصود ہو یا نام مطلوب ہو یا صرف وطنیت، قومیت کے تعصب کی بنیاد پر جنگ لڑی جائے تو یہ اسلامی نقطہ نگاہ سے نہ تو جہاد ہے اور نہ باعث اجر وثواب بلکہ الٹا وبال جان ثابت ہوگا۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان کبھی اظہار شجاعت کیلئے جنگ کرتا ہے اور کبھی قومی غیرت وحمیت کی بنا پر اور کبھی دنیاوی نمود اور شہرت کے لئے ان میں سے کونسی جنگ جہاد فی سبیل اللہ کا مصداق ہے۔ تو ارشاد فرمایا۔

" من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ ".(۳).

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو شخص فقط اس لئے لڑے کہ اللہ ہی کا بول بالا رہے، بس وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

جہاد کی غرض وغایت: جہاد کی غرض وغایت ذکر کرنے سے پہلے جہاد کے اقسام کا ذکر ضروری ہے۔

اسلامی جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ دفاعی جہاد ۲۔ اقدامی جہاد

۱۔دفاعی جہاد:...... اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر مسلمان قوم پر ابتداً حملہ آور ہو اب اس دفاع کے طور پر کافروں کے ساتھ جنگ کرنا دفاعی جہاد کہلاتا ہے۔ جہاد کی اس قسم کا حق تعالیٰ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

" وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلو نکم ولا تعتدوا. ان اللہ لا یحب المعتدین ".(۴).

جہاد دفاعی کی غرض وغایت:

اجتماعی فتنہ کا استحصال:

جہاد اسلامی کی غرض وغایت صرف اور صرف یہی ہے کہ زمین سے فتنہ وفساد ختم ہو جائے۔ ظالموں کو ظلم سے روکا جائے اور بندگان خدا کی جان ومال اور آبرو کو مکمل تحفظ حاصل ہو جائے۔ یہی حقیقت قرآن میں یوں مذکور ہے۔

" اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر " (۵).

حاصل آیت کریمہ یہی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہوا ہے ان کے املاک پر قبضہ کیا گیا ہے انہیں گھر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ہے اس وجہ سے اب انہیں بھی ان کفار کے ساتھ لڑائی کرنے کی اجازت دی گئی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: " ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ و المستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا " .(۶).

اس آیت کریمہ کا بھی مفہوم یہی ہے کہ کمزور اور بے بس لوگوں پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور آپ خواب خرگوش میں محو ہیں؟ آپ کو چاہیے کہ ان مظلوموں کی نصرت وحمایت کریں ان کے جان ومال اور آبرو کی حفاظت کو یقینی بنائیں اور انہیں ظالموں کی غلامی سے نجات دلا کر پرسکون زندگی فراہم کرنے کی کوشش کریں۔ اور آپ کا یہ کوشش نہ صرف جائز بلکہ اسے قتال فی سبیل اللہ شمار کیا جائے گا کیونکہ ظاہر ہے کہ آپ کے اس فعل کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاصہ:...... خلاصہ یہ ہے کہ اسلام آپ کو کسی ملک وقوم اور معاشرے پر حملہ کرنے کی اور خون بہانے کی اس Base پر اجازت نہیں دیتا کہ یہ ملک زرخیز ہے اور یہاں دولت کا انبار ہے اس مال ودولت اور زرخیزی سے استفادہ کرنے کیلئے خونریزی ہونی چاہیے نہ اس وجہ سے جنگ وجدال کی اجازت دیتا ہے کہ اس ملک کے لوگ دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں۔ لا اکراہ فی الدین۔ اسلام میں دین اسلام کی قبولیت پر کوئی جبر نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ شریر لوگوں نے زمین میں فساد پھیلایا ہے۔ بندگان خدا کا امن تہ وبالا کیا ہے۔ ان کی زندگی اجیرن بنائی ہے۔ لہذا اس ظلم وفساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہیے اور اس ظلم وفساد کا خاتمہ جہاد ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ چنانچہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

" ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض " (۷).

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے دفع نہ کردیتے تو پوری زمین میں فساد برپا ہوجاتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

" مقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ " (۸).

ان کے ساتھ یہاں تک قتال کرو حتی کہ فتنہ وفساد ختم ہوجائے۔

اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے جہاد کا مقصد ملک گیری نہیں، جاہ اور مال کا حصول نہیں بلکہ زمین سے فساد کو ختم کرکے بندگان خدا کو انصاف فراہم کرنا ہے جو کہ عین منشا الٰہی ہے تاکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرکے دنیا اور آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل ہوجائے۔

ظاہر بات ہے کہ اس مقصد سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس میں اپنے ذاتی مفادات قومی مفادات، اقتدار اور مال ودولت سب کو چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے مظلوموں اور بے کسوں کو ظلم کے پنجے سے چھٹکارا دلا کر انہیں ہر قوم کے جانی ومالی حقوق فراہم کئے جائیں۔ اور انسان کی شرافت انسانی کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

۲۔ اقدامی جہاد:

جہاد کی دوسری قسم اقدامی جہاد ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداً مسلمان کافروں پر حملہ آور ہوجائے، پہلے سے اقدام کیا جائے۔ اسلام اقدامی جہاد کا حکم اس وقت دیتا ہے جب کفر کی قوت اور شوکت سے اسلام کی آزادی کو خطرہ ہو یعنی یہ خطرہ ہو کہ کفر اور شرک مسلمانوں کے احکام اسلام پر عمل اور اس کی تنفیذ میں مزاحم ہوکر اسلام اور مسلمانوں کی آزادی کو سلب کریں گے۔ تو اس صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اسلام اپنے پیروں کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم کافروں پر جارحانہ اقدام کرو تا کہ کفر کی شوکت وقوت توڑ جائے۔ایسی صورت حال میں عقل وفراست کا بھی مقتضا یہی ہوتا ہے کہ پہلے سے خطرہ کو ختم کیا جائے۔مثلاً شیر اور چیتے کو حملہ کرنے سے پہلے ہی قتل کر دینا اور کاٹنے سے پہلے ہی سانپ اور بچھو کو قتل کر دینا ظلم نہیں، بلکہ اعلیٰ درجے کا تدبر ہے بالکل اسی طرح کفر اور شرک کے اس خطرے کو پیش آنے سے پہلے ہی ختم کر دینا عقل و دانائی کی بات ہے۔قرآن کے ارشاد:

" وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله " (۹).

میں یہی اقدامی جہاد مراد ہے کیونکہ فتنہ سے مراد کفر کی قوت وشوکت کا فتنہ ہے۔

" ويكون الدين كله لله " سے دین کا ظہور اور غلبہ مراد ہے۔تو مقصد یہ ہوا کہ اس وقت تک کفار سے لڑو یہاں تک کہ کفر کی قوت وشوکت ختم ہو کر دین اسلام کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے۔اور دین اسلام کو کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے۔ (۱۰)۔

جہادِ اقدامی کی غرض وغایت:

چونکہ جہاد اقدامی میں مسلمانوں کی طرف سے اقدام ظاہراً محل اعتراض معلوم ہوتا ہے،اس لئے مناسب یہ ہے کہ یہاں جہاد اقدامی بلکہ مطلق جہاد کے غرض وغایت کے بارے میں مولانا ادریس کاندھلویؒ کے اپنے ہی الفاظ ذکر کئے جائیں۔فرماتے ہیں:۔

"جہاد کے حکم سے خداوند قدوس کا یہ ارادہ نہیں کہ یکلخت کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین دنیا میں حاکم بن کر رہے اور مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔اور امن وعافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کر سکیں۔کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ ان کے دین میں خلل انداز ہو سکیں اسلام اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں بلکہ ان کی ایسی شوکت وحشمت کا دشمن ہے کہ جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ کا باعث ہو "۔

حدودِ جنگ:

مذکورہ حالات میں اسلام اجازت دینے کے ساتھ ساتھ شرائط وحدود بھی متعین کرتا ہے۔چنانچہ کسی قوم وملک کے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں اسلامی فلسفہ جہاد میں یہ حدود بھی متعین ہیں کہ لڑائی صرف جوانوں تک ہوگی، بوڑھوں،عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے گا۔اسطرح پھلدار فصلوں درختوں کو نقصان دینے کی اجازت نہیں اس طرح دشمن کے مذہبی شعائر کو ختم کرنے کی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجازت نہیں۔ کیونکہ جب مقصدِ جہاد ہی فساد کا دفعیہ ہو تو لامحالہ صرف جوانوں کے قتل کی اجازت ہوگی کیونکہ فساد بھی جوانوں تک محدود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو در مختار کی عبارت:

"ونهينا عن غدر وغلول وعن مثلة وعن قتل امراة وغير مكلف و شيخ فان و اعمىٰ و مقعد و راهب واهل كنائس لم يخالطوا الناس" .(۱۱).

ترجمہ...... :ہمیں منع کیا گیا ہے دھوکہ سے، ہاتھ پاؤں کاٹنے سے، عورتوں، بچوں، پاگلوں، شیخ فانی (جو جنگ میں کسی قسم کے تعاون پر قادر نہ ہو)، اندھوں، راہبوں اور اُن عبادت گزار لوگوں کو قتل کرنے سے جو مجاہدین کے ساتھ شریک نہ ہو۔

نتیجہ:...... جہاد اسلامی کی غرض وغایت اور حدود وضوابط کو بیان کرنے سے فلسفہ جہاد اسلامی کی کچھ تصویر واضح ہو جاتی ہے اگر جہاد اسلامی کی غرض وغایت اور حدود پر غور کیا جائے تو یقیناً اس سے فلسفہ جہاد اسلامی کی خوبی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے بلکہ فطرت اور عقل سلیم بھی اسی غرض اور انہی حدود کا تقاضا کرتی ہے بشرطیکہ اسے بصیرت اور انصاف کی عینک لگا کر دیکھا جائے۔

اب ہم "یہودیت" میں فلسفہ جنگ کو سمجھنے کیلئے مقصد جنگ اور حدود جنگ کا ذکر کرتے ہیں۔

یہودیت کا فلسفہ جنگ:

یہودیت کی جو قانونی کتابیں ابھی تک موجود ہیں ان میں توراۃ ہی مسلم عندالکل ہے۔ اس لئے ہم توراۃ کی روشنی میں یہودیت کا تصور جنگ پیش کرتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ توراۃ سے مراد بھی موجودہ توراۃ ہے نہ کہ وہ توراۃ جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ بات تاریخی طور پر مسلم ہے موجودہ توراۃ ایک مخلوط توراۃ ہے جو وقتاً فوقتاً تحریفات انسانی کا شکار ہو چکی ہے۔ اور اب اس سے حقیقی توراۃ کی تعلیمات کو جدا کرنا ایک ناممکن کام ہے ذیل میں یہودیت کی روشنی میں اولاً مقصد جنگ اور ثانیاً حدود جنگ پر کچھ روشنی ڈالی جارہی ہے۔

مقصد جنگ:

یہودیت میں مقصد جنگ کو معلوم کرنے کیلئے توراۃ کے چند اقتباسات کو پڑھیے۔ کتاب اعداد میں مقصد جنگ اسطرح بیان کیا گیا ہے۔ اور خداوند نے سواب کے میدانوں میں یردن کے کنارے پر یریحو کے مقابل موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا۔ بنی اسرائیل کو خطاب کر اور جب تم یردن سے پار ہو کر زمین کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگا، ان کی صورتیں فنا کر دو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ دو اور ان کے سب اونچے مکانوں کو ڈھا دو اور ان کو جو اس زمین کے بسنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے ہیں خارج کردو اور وہاں آپ بسو، کیونکہ میں نے وہ سرزمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک بنو ۔ (۱۲)۔

اور کتاب استثناء میں ہے:

"سو تم اٹھو، کوچ کرو، اور نہر ارنوں کے پار جاؤ، دیکھو میں نے حسبون کے بادشاہ اموری سیحوں کو اس کی سرزمین سمیت تیرے ہاتھ میں دیا ہے، سو اس کی میراث لینا شروع کر اور جنگ میں اس کا مقابلہ کر " ۔(۱۳)۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیت میں جنگ وقتال کا مقصد صرف ملک گیری ہے دشمن قوم کو اپنی قوت سے مغلوب و مفتوح کرنا، ان کے گھر بار، اموال واملاک پر قبضہ کرنا اور خود ان کی جانوں پر قبضہ کرنا وغیرہ یہ یہودیت میں بذاتہ مقصود کی حیثیت رکھتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ مقصد ایک خسیس مقصد ہے جو ذاتی مفادات، حب جاہ ومال پر مبنی ہے اور جس کا شرافت واخلاق سے کوئی تعلق نہیں اسلام کے جہاد فی سبیل اللہ کے برعکس اس کی جنگ کا مقصد محض ملک و دولت کا حصول اور دوسری قوموں پر ایک خاص قسم کی برتری قائم کرنا ہے۔

حدود جنگ:

یہودیت اپنی دشمن قوم کے ساتھ کس قسم کا سلوک جائز رکھتی ہے یہ تفصیلات معلوم کرنے کیلئے چند اقتباسات پڑھیئے:

کتاب استثناء میں ہے:...... اور جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر۔ تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور ہے اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری شہر جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گزار ہوگی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں دیدے تو ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کی ساری لوٹ کر اپنے لئے لو اور تو اپنے دشمن کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے۔ کھاؤ۔ (۱۴)۔

دوسری جگہ لکھا ہے۔ " لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجو "

اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالہ کردے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجیو نہ تو کوئی ان سے عہد کیجیو اور نہ ان پر رحم کریو۔

تم ان کے مذبحوں کو ڈھادو، ان کے بتوں کو ڈھادو، ان کے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلادو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی مذہب اپنے دشمنوں کو دو قسموں پر تقسیم کرتا ہے ایک وہ جسے خدا نے انکی میراث میں نہیں دیا ہے دوسری وہ جسے خدا نے ان کی میراث میں دیا ہے۔ دونوں کے ساتھ معاملہ جدا جدا رنگ کا ہے۔

پہلی قسم:...... پہلی قسم کے دشمنوں کا حکم یہ ہے کہ پہلے انہیں صلح کا پیغام دیا جائے اگر قبول کرے تو انہیں خدمت گزار بنایا جائے اگر انکار کرلے تو ان کے ساتھ جنگ کرکے ان کے مردوں کو قتل کیا جائے۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے۔ ان کے اموال پر قبضہ کیا جائے میوہ دار درختوں، باغوں اور کھیتوں کو بھی خراب نہ کیا جائے تاکہ فتح حاصل ہونے کی صورت میں فاتح کے کام آئے۔

دوسری قسم:...... دوسری قسم کے دشمنوں کیلئے حکم یہ ہے کہ ان کے ساتھ کوئی صلح و معاہدہ نہ کیا جائے۔ ان کے ساتھ فوری طور پر جنگ چھیڑلی جائے۔ مرد، بچے، عورتیں حتیٰ کہ جانوروں کو بھی قتل کیا جائے۔ تاکہ روئے زمین سے ان کا نام ونشان ختم ہوجائے۔ ان کے مکانات، باغات، کھیتوں اور فصلوں کو بھی تباہ وبرباد کیا جائے۔

خلاصہ:...... جنگ کا یہ مقصد اور یہ حدود وضوابط جو مذکورہ اقتباسات سے معلوم ہورہے ہیں یہ یہودیت کے فلسفہ جنگ کی حیثیت ونوعیت کو خود واضح کررہی ہیں کہ یہودیت میں جنگ کا تصور کیا ہے؟ کس پاکیزہ مقصد کیلئے لڑی جاتی ہے۔ اور کن قوانین وضوابط کے تحت لڑی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہودیت میں جنگ کا مقصد یا تو مال ودولت اور اقتدار کا حصول ہے جسے ہم ملک گیری و جہانگیری بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ مقصد اس صورت میں جب جنگ اس قوم کے ساتھ ہو جسے خدا نے ان کی میراث میں نہ دیا ہو۔ اور یا پھر مقصد جنگ دشمن کا نام ونشان مٹا کر اپنی فضیلت و برتری زمین کے اوپر قائم کرنا ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ دشمن کو بالکل جینے کا حق بھی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ صلح و معاہدے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ مقصد اس صورت میں جب دشمن قوم کو خدا نے ان کی وراثت میں دیا ہو۔

دونوں صورتوں میں مقصد جنگ میں شرافت واخلاق نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ ذاتی مفاد وخودغرضی اور نفس پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ چاہے اس مقصد کے حصول میں دشمن قوم کا نام ونشان ہی کیوں نہ مٹ جائے۔ یہ سب کچھ گوارا کیا جائے گا۔

یہ ہے یہودیت کے فلسفہ جنگ کی ایک چھوٹی سی تصویر۔

مسیحیت کا نظریہ جنگ:

موجودہ مسیحیت کی روشنی میں اگر ہم جنگ کا نظریہ دیکھنے کی کوشش کریں تو ہمیں اناجیل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ تم شریر کا مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور کوئی تجھ پر نالش کر کے کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے اور کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ اپنے پڑوسی سے محبت رکھو اور اپنے دشمن سے عداوت، مگر میں کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو۔ جو تم پر لعنت کریں، ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تم سے نفرت کریں، ان سے اچھا سلوک کرو۔ جو تمہیں ذلیل کرے اور ستائے ان کے لئے دعا مانگو"۔ (۱۵)۔

"میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں۔ ان کا بھلا کرو۔ جو تم پر لعنت کریں، ان کے لئے برکت چاہو، جو تمہاری بے عزتی کریں، ان کیلئے دعا مانگو۔ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے، اس کے سامنے دوسرا بھی پھیر دے"۔ (۱۶)۔

طمانچہ مارنے والے کیلئے دوسرا رخ پھیر دینا، کرتہ لینے والے کو چوغہ دینا، دشمن سے محبت رکھنا، ستانے والے کیلئے دعا کرنا اور ایک کوس لے جانے والے کے ساتھ دو کوس چلے جانا وغیرہ یہ صاف اور واضح ثبوت ہے اس بات کی کہ مسیحیت میں جنگ کے جواز کا ادنیٰ تصور بھی نہیں ہے۔ جب دشمن کے حق میں بھی محبت کی تعلیم اور دعائیں دینے کی ترغیب ہے تو پھر دوستوں کے ساتھ تو بدرجہا بہتر سلوک کی ترغیب ہوگی۔ اور پھر جنگ کرنے کیلئے کون باقی رہ گیا؟۔

اس لئے مسیحیت میں اصل الاصول محبت کی تعلیم ہے۔ وہ کسی حال میں بھی ظلم و تعدی کا مقابلہ قوت سے کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ ظالموں اور مفسدوں کے سامنے سر جھکاؤ، ان کے سامنے اپنے حقوق سے دستبردار ہو جاؤ۔ اور جو کچھ لینا چاہتا ہے، کھلے دل سے اسے دے دو حتیٰ کہ ستانے والے کیلئے دعائیں بھی مانگو۔

مسیحیت کے تصور جنگ کی توضیح:

سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مسیحیت سراسر جنگ کے خلاف ہے اور جنگ کو فی نفسہ برا سمجھتی ہے اس کا مقصد تو یہ ہے کہ ایک مسیحی انسانی معاشرہ میں ایسی زندگی گزارے کہ چور، ڈاکو اس کے اموال کو لے جائے، غیرت لٹانے والے اس کی عزت لٹائے، اسکی جان و مال اور آبرو پر حملہ آور ہو اور وہ سب کچھ سہتے ہوئے تحمل کی زندگی گزارے تو یہ کونسی غیرت و شرافت کی زندگی ہے۔ اور کون ذی عقل انسان اس طرز زندگی کو اپنا سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ دراصل مسیحیت جس اخلاقی نظام کو پیش کرتا ہے اس کا نصب العین اور مقصد آسمانی بادشاہت میں داخل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے۔اب آسمانی بادشاہت کیا ہے؟ مسیحیت کے نزدیک آسمانی بادشاہت دینوی بادشاہت کے بالکل منافی ہے اور دونوں کے حصول کے راستے الگ اور جدا جدا ہیں۔ اسی لئے آسمانی بادشاہت کا حاصل رہبانیت اور ترک دنیا کی تعلیم ہے۔ چنانچہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ انسان تہذیب وتمدن سے کامل انقطاع کرے۔ زراعت، صنعت، تجارت وغیرہ دنیوی معاملات سے بالکل احتراز کرے۔ اس بات کے ثبوت کیلئے کہ آسمانی بادشاہت اور دنیوی بادشاہت میں تضاد ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ " اے چھوٹے گلے نہ ڈر! کیونکہ تمہارے باپ کو پسند آیا کہ تمہیں بادشاہت دے۔ اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کردو اور اپنے لئے ایسے بٹوے بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہوتا " ۔

" اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال اسباب بیچ کر غریبوں کو دے دو اور پھر سے پیچھے ہو لے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا " ۔

" میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے، اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو اور کسی گوشہ غزلت میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مصروف ہو جائے " ۔ (۱۷)۔

مختصر یہ کہ مسیحیت معاشرت گریز پالیسی کا قائل ہے اس نکتے کو ذہن نشین کرتے ہوئے مذکورہ سوال کا جواب واضح طور پر ملتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مسیحی اگر جنگ نہیں کرتا ہے تو یہ صورت حال نہیں کہ معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے اور دنیوی ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد بھی وہ لڑائی کی ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ جب وہ معاشرے سے الگ رہبانی اور تجرد کی زندگی اختیار کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ وہ جنگ کی ضرورت ہی نہیں سمجھے گا۔ اسے دنیا اور دنیوی معاملات سے کیا غرض کہ اس کے حصول کے لئے وہ لڑائی اور جنگ کی ضرورت سمجھے۔ اسے جاہ واقتدار سے کیا غرض کہ وہ اسکے حصول کے لئے لڑائی اور جنگ کو ضروری سمجھے اس لئے اگر موجودہ مسیحیت ترک دنیا اور تجرد کی زندگی کی تعلیم دیتا ہے تو اس کے لئے ترک جنگ کا رویہ بالکل ہی مناسب ہے۔ بہر حال ترک جنگ کا تصور اگرچہ نظریہ تجرد کے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ ترک تجرد کی تعلیم فی نفسہ کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ظاہر بات ہے کہ یہ قانون ایک عالمگیر قانون بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے کیونکہ یہ عقلاً بھی ایک ناممکن سی بات ہے کہ دنیا کا ہر شخص اس طرح تجرد کی زندگی اختیار کرے جیسا کہ موجودہ مسیحیت اس کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کے سب معاملات چھوڑ کر کسی گوشہ تنہائی میں زندگی گزارنا شروع کرے۔ حتی کہ فطرت کے بھی خلاف ہے۔ فطرت انسانی انسان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ انفرادیت چھوڑ کر اجتماعیت کی زندگی اختیار کرے۔ اور یہ تعلیم تو مکمل انفرادیت پر مبنی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختصر تقابلی جائزہ:

تینوں سامی مذاہب کے جنگ کے متعلق تصورات کو پڑھنے کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جنگ کے مسئلے میں یہودیت و عیسائیت افراط و تفریط کے دوسروں پر واقع ہے۔ جبکہ اسلام افراط و تفریط کے درمیان حد اعتدال پر قائم ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ یہودیت جنگ کی مطلقاً اجازت دیتا ہے۔ چاہے کسی بھی نفسانی غرض کے لئے ہو مال و دولت کا حصول مقصود ہو یا حکومت واقتدار مقصود ہو، یا صرف اپنی ہی برتری وفضیلت ثابت کرنا مقصد ہو، ہر طرح کے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اس طرح ضوابط وحدود کے دائرہ میں کسی تحدید کا قائل نہیں۔ اپنے ''وراثت ارضی'' کے تخیل کے تحت دشمن قوم کی جان، مال، آبرو حتیٰ کہ ان کے جانور اور چوپایوں اور فصلیں، باغات، ومکانات تک کو ختم کرنا جائز و مستحسن گردانتا ہے۔ لہٰذا یہودیت مسئلہ جنگ میں افراط کے نقطے پر ثابت ہے۔ نہ تو مقاصد میں تحدید کرتا ہے اور نہ جنگ کے طریقوں اور شرائط وضوابط کی تحدید کرتا ہے۔

دوسری طرف مسیحیت تفریط کے نقطے پر قائم ہے۔ کیونکہ وہ توراساً جنگ کرنے کے جواز کا قائل نہیں وہ اسے مفسدانہ فعل سمجھ کرفی نفسہ معصیت سمجھتی ہے۔ اور عفو ودرگزر، فروتنی، عاجزی وانکساری اور صبر وتحمل کے اعلیٰ معیار کی تعلیم دیتی ہے۔

اسلام نے ان دونوں حدوں کے درمیان ایک توسط کی راہ نکالی ہے وہ نہ تو جنگ سے کلیۃً منکر ہے اور نہ جنگ کی علی الاطلاق اجازت دیتا ہے۔ اس نے مخصوص حالات میں لڑائی وخونریزی کو جائز مان کر اسے حدود وشرائط میں محصور کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر جنگ مال ودولت، جاہ واقتدار اور نفسانی اغراض کے لئے لڑی جائے تو یہ اسلامی نقطہ نظر سے فتنہ وفساد اور اللہ کے ہاں معصیت وگناہ کبیرہ ہے لیکن اگر جنگ حق کی حمایت کے لئے، یا ظلم وفساد کو ختم کرنے کے لئے ہوتا کہ بندگان خدا مخلوق کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں داخل ہو جائے تو یہ جنگ نہ صرف جائز بلکہ اللہ کے ہاں انتہائی پسندیدہ عبادت ہے اور اسے جہاد فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ پھر اسلام نے اس کی مزید تحدید کرلی ہے کہ ایسا جنگ بھی کن لوگوں کے ساتھ جائز ہوگا۔ کن کے ساتھ ناجائز، کس طریقے کے ساتھ جائز، کس کے ساتھ ناجائز جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

غور کیا جائے تو اسلام کا یہی تصور جنگ عقل اور فطرت کے عین موافق ہے۔ کیونکہ عقل سلیم بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ جنگ سے کلیۃً انکار نہ کیا جائے کیونکہ لازماً تمدنی زندگی گزارتے ہوئے کبھی کبھار اپنے حقوق کی تحصیل یا ظلم وفساد کے خاتمے کی اور کوئی صورت سوائے جنگ کے نہیں ہوتی، اس صورت میں جنگ ایک ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔

اس طرح عقل اس بات کی بھی اقتضا کرتی ہے کہ یہودیت کی طرح جنگ مکمل آزاد ہو کہ جس میں بوڑھے، بچے، عورتیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فصلیں، باغات اور مکانات تک تباہ ہو جائیں بلکہ عقل یہ کہتی ہے جنگ چونکہ فساد کو رفع کرنے کیلئے لڑی جاتی ہے۔اس لئے جہاں تک فساد محدود ہو (جو کہ اکثر جوان طبقہ ہوتا ہے یا وہ بوڑھے اور بچے بھی جو عملاً جنگ میں شریک ہوں) جنگ کو بھی اسی حد تک محدود رکھنا چاہیے۔اور یہی رویہ فطرت سلیمہ کی پکار ہے۔

حوالہ جات:

۱. سورۃ مائدہ، آیت نمبر ۳۲، پارہ نمبر ۶.

۲. سورہ بقرہ، آیت نمبر ۱۷۸، پارہ نمبر ۲، آیت نمبر ۱۹۳.

۳. سیرت المصطفیٰ ج۲، ص ۲۳، بحوالہ بخاری شریف، الناشر مکتبہ الحسن ۳۳.
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور، مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ.

۴. سورۃ بقرۃ، آیت نمبر ۱۹۰، پارہ نمبر ۲.

۵. سورۃ الحج، آیت نمبر ۳۹، پارہ نمبر ۱۷.

۶. سورۃ النساء، آیت نمبر ۷۵، پارہ نمبر ۵.

۷. سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۲۵۱، پارہ نمبر ۲.

۸. سورۃ بقرہ، آیت نمبر ۱۹۳، پارہ نمبر ۲.

۹. سورۃ انفال، آیت ۳۹، پارہ نمبر ۹.

۱۰. سیرۃ المصطفیٰ ج۲، ص ۳۴.الناشر: مکتبۃ الحسن ۳۳، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ.

۱۱. در مختار ، صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲، جلد ۴، ناشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی.

۱۲. یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص ۱۰، ۱۱،
مصر سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، ناشر ادارہ ترجمان القرآن، (پرائیویٹ) لمیٹڈ،
غزنی سٹریٹ رحمن مارکیٹ اردو بازار لاہور، اشاعت ۲۰۰۸ء. بحوالہ کتاب اعداد.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳. "یہودیت قرآن کی روشنی میں" ص ۱۲، مص سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ،

ناشر ادارہ ترجمان القرآن، (پرائیویٹ)لمیٹڈ، غزنی سٹریٹ رحمن مارکیٹ اردو بازار لاہور،

اشاعت ۲۰۰۸ء. بحوالہ کتاب اعداد.

۱۴. یہودیت قرآن کی روشنی میں"ص ۱۳، ۱۴،مص سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ،

ناشر ادارہ ترجمان القرآن، (پرائیویٹ)لمیٹڈ، غزنی سٹریٹ رحمن مارکیٹ اردو بازار لاہور،

اشاعت ۲۰۰۸ء، بحوالہ کتاب استشناء.

۱۵. مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ.مص چوہدری غلام رسول چیمہ

۱۶. "الجہاد فی الاسلام" ص ۲۱۱، مصنفہ سید ابو الاعلی مودودیؒ،

ادارہ ترجمان القرآن(پرائیویٹ لمیٹڈ) ، لاہور، بحوالہ لوقا.

۱۷. الجہاد فی الاسلام ص ۲۱۴، مصنفہ سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، ادارہ ترجمان القرآن(پرائیویٹ)

لمیٹڈ لاہور. بحوالہ متی.

......☆☆☆☆☆......

© rasailojaraid.com